ولایتی بیویاں ولایتی شوہر



مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

اصلاح المسلمین پبلشرز
پوسٹ بکس نمبر 18130 کراچی 74700

بسم اللہ الرحمان الرحیم

ولایتی بیویاں ولایتی شوہر

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

اصلاح المسلمین پبلشرز، کراچی

پوسٹ بکس نمبر 18130 کراچی 74700

بسم اللہ الرحمان الرحیم

نام کتاب — ولایتی بیویاں ولایتی شوہر

از رشحات قلم — مولانا حکیم محمود احمد برکاتی مدظلہ العالی

طبع اول — ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ / جون ۲۰۰۴ء

تعداد — ۱۱۰۰

طابع — فیئر فین پریس، اردو بازار، کراچی

قیمت — 20/=

ناشر — اصلاح المسلمین پبلشرز

پوسٹ بکس نمبر 18130 کراچی 74700

بسم اللہ الرحمان الرحیم

پیش لفظ

مرشد آباد (بنگال) کے ایک رہنے والے اپنے وقت کے نامور عالم اور طبیب تھے میر محمد حسین۔ جنہوں نے ۱۷۷۴ء میں انگلستان، پرتگال، فرانس اور مصر کا سفر کیا تھا، اور چونکہ اس دور میں بلکہ بیسویں صدی تک فرنگ کی ہر سیاحت کرنے والے کو لندنی کہا جاتا تھا۔ اس لیے وہ میر محمد حسین لندنی کہلاتے تھے۔ تو ان میر محمد حسین نے عربی میں ایک مختصر رسالے میں مغرب کی ایجادات اور اکتشافات کا ذکر کیا تھا، میں نے اس رسالہ کا ترجمہ اور تدوین کی ہے۔ اس کے مقدمے کے طور پر کئی فصلوں میں برعظیم اور فرنگ کے مختلف النوع روابط کا جائزہ لیا۔ مثلاً وہ سیاح جو یہاں سے وہاں گئے، وہ سیاح جو وہاں سے یہاں آئے، مغرب کی وہ کتابیں جن کا یہاں کی زبانوں میں ترجمہ ہوا، یہاں کی وہ کتابیں جن کا وہاں کی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ یہاں کے وہ علوم جن سے وہاں کے اہل علم نے اعتناء کیا، مغرب کے وہ علوم اور زبانیں جن سے یہاں کے علماء نے اعتناء کیا۔ غرض اس قسم کی کئی فصلوں میں جائزہ لیا تھا۔

ایسی ہی دو فصلوں میں ان فرنگی عورتوں کا ذکر کیا ہے جو یہاں کے مردوں کی بیویاں بنیں اور یہاں کی وہ عورتیں جو فرنگی مردوں کی بیویاں بنیں۔

محترم محمد تنزیل الصدیقی الحسینی صاحب ان دونوں فصلوں کو ایک کتابچے میں شائع فرما رہے ہیں۔

طالب علم محمود احمد برکاتی

۲۹ شعبان ۱۴۲۴ھ

۲۶ کتوبر ۲۰۰۳ء

سخن ہائے گفتنی

زوال امت مسلمہ کے اسباب کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہاں ان اسباب کا جائزہ لینا مقصود نہیں، بلکہ ان اسباب میں سے ایک سبب کا مختصراً ذکر کرنا مقصود ہے۔ امت مسلمہ کو آج جن حالات عسرت کا سامنا ہے اور جس نتائج ہلاکتِ آفریں سے واسطہ ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ غیر مسلموں سے رشتہ مناکحت استوار کرنا ہے۔ اہل کتاب سے نکاح کرنے کے فائدے کا حصول پہلے پہل حاملین طبقہ اقتدار کو سوجھا اور پھر تو گویا

خود بخود بوئے یار پھیل گئی
کوئی منت کش بادِ صبا نہ ہوا

چنانچہ غیر مسلم قوموں بالخصوص یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کی اس کمزوری کا خوب خوب فائدہ اٹھایا، اپنی دختران ملت کو خصوصی تربیت دے کر مسلمانوں کی اہم شخصیات کے حبالہ عقد میں دیا یا کم از کم ان سے وابستہ کیا، جس کا نتیجہ ملک و ملت کی تباہی اور دین و علم دین سے دوری میں نکلا۔

اہل صلیب و یہود جب میدان کارزار میں مسلمانوں کے بالمقابل ہر ہر مقام پر شکست و ریخت سے ہمکنار ہوئے تو انہوں نے آخری حربے کے طور پر اپنی ''دختران فرماں بردار'' و ''بنات وفا شعار'' کو ''لبادۂ عزت و عصمت'' اتار دینے کا مشورہ دیا، جس پر عمل کرنا سعادت قرار پایا۔ ''دختران صلیب و یہود'' نے اپنی ملت کے لیے وہ کارہائے نمایاں انجام دیا جو آلات حرب کی کثرت، سپاہ کارزار کی وسعت اور سیاست رذیلہ کی ترکیبوں سے بھی انجام نہ پا سکتا تھا۔

اوروں کا تاثر خواہ کچھ ہی ہو، میں تو یہی کہوں گا کہ میدان سیاست میں مسلمانوں کو جس قدر شکست و ریخت اور حسرت و نامرادی کا سامنا ہوا، اس کی بنیادی وجہ یہی اختلاط ''دختران صلیب و یہود'' ہے۔ چنانچہ اسلامی دنیا کے ہر ہر گوشے میں سازش کی یہی روح کارفرما نظر آتی ہے۔

خلفائے امویہ وعباسیہ کا زوال ہو یا سلطنت اسپین کی تباہی۔ سلاطین ترکیہ کی تاراجی ہو یا ارض قدس کی یرغمالی۔ ہر جگہ اسی ''وجودِ زن'' کا فیض کارفرما ہے۔

برعظیم پاک و ہند کے مسلمان بھی اس فیض سے محروم نہ رہے ''دانشمندان صلیب و یہود'' کی سخاوت وفیاضی نے ان کے چشمہ دل کو بھی ویسے ہی سیراب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے مغلوں کے زوال کا داغ سہنا پڑا اور اب ''آزادی'' کے بعد ''غلامی'' کے مزے لوٹے جا رہے ہیں۔

یہاں یہ تکلیف دہ ذکر بھی بے محل نہیں کہ اس اختلاط کے اثراتِ بد میں سے یہ نتیجہ بھی ہے کہ مسلمان عورتوں (خواہ ان کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو) نے بھی غیر مسلم مردوں سے رشتہ مناکحت استوار کیا۔

میرا اشارہ اس جذبہ حمیت وغیرت کی طرف ہے، جو اس غیر شرعی اختلاط کے نتیجہ میں ہر گزرتی ساعت کے ساتھ مبدء بہ زوال ہے۔ اور معلوم ہے کہ جس قوم سے غیرت وحمیت کا خاتمہ ہو جائے وہ قوم سر اٹھا کر جینے کی ادا بھول جاتی ہے۔ اعاذ نا اللہ منہ۔

زیر نظر کتابچے میں مصنف گرامی مولانا حکیم محمود احمد برکاتی مدظلہ العالی نے ''ہند و فرنگ'' کے تناظر میں ۱۸۵۷ء سے قبل تک کے دوطرفہ اختلاط کا جائزہ تاریخی حقائق کی روشنی میں لیا ہے۔ یعنی وہ عورتیں جو باشندگان ارض ہند کے حرم کی زینت بنیں اور وہ ''نساءِ ہند'' بھی جو ''رجال فرنگ'' سے آشنا ہوئیں۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کے بعد تو گویا بزعم خویش ''اشرافیہ'' کے لیے ''میم صاحبہ'' کا وجود تو گویا ایک فیشن بن گیا اور پھر ان ''لیڈیوں'' کی بہار نے تو گویا ''آتش شوق'' کو وہ مہمیز لگائی کہ

نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لیے

زیر نظر کتابچہ اپنے موضوع کی نہایت اہم تحریر ہے۔ یقیناً اس میں بعض گوشے آنے سے رہ گئے ہونگے، لیکن جو گوشے یہاں یکجا ہو گئے ہیں وہ اس سے پہلے کہیں یکجا بھی نہیں ہوئے۔ (واللہ اعلم)

۱۸۵۷ء کے بعد جیسا کہ عرض کیا گیا کہ ارض پاک و ہند میں ''لیڈیوں'' کی بہار نے ان رشتوں کو ''عجائب'' میں شمار نہیں رہنے دیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جن مشاہیر اکابر نے یہ شرف حاصل

کیا، ان کی تعداد خاصی طویل ہے، لیکن اپنی تاثر پذیری کے اعتبار سے نہایت افسوسناک اور نتیجہ خیزی کے اعتبار سے نہایت المناک واقعہ مولانا شوکت علی کا ہے۔ اس وقت کہ جب تحریک خلافت اپنے پورے عروج پر تھی، مولانا شوکت علی کا شباب عود آیا اور ممدوح نے اپنی امریکن سیکریٹری سے عقد کرلیا۔ ابھی خردِمندان پاک و ہند اس سانحہ کی توجیہ بھی نہ کر سکے تھے کہ ممدوح کی ''سابقہ سیکریٹری'' جو ترقی کر کے حرم کی زینت بنیں تھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ''سابقہ اہلیہ'' بن گئیں۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ تحریک خلافت دم توڑ گئی اور مولانا شوکت علی کے ناموس پر شرمندگی کی سیاہیوں کے نشان ثبت کر گئی۔ یہ المیہ ہے ان کا جنہوں نے سمجھا اور ان کے لیے بھی جنہوں نے نہیں سمجھا۔

لیکن مقام غور صرف یہی نہیں ہے کہ یہ رشتہ ہوا اور ٹوٹ گیا۔ بلکہ اصل نکتہ فکر تو یہ ہے کہ آخر ایک ''مسلم زعیم'' کو کسی لیڈی سیکریٹری، وہ بھی غیر مسلم، کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی؟

زیر نظر تحریر درحقیقت میر محمد حسین لندنی کے سفرنامہ ''عجائبات ہند'' پر لکھے گئے طویل مقدمے کا ایک حصہ ہے، جو ایک طویل عرصے سے منتظر طباعت ہے۔ یہ وہی تحریر ہے کہ جس سے پروفیسر محمد سلیم صاحب مرحوم نے اپنی کتاب ''مغربی زبانوں کے ماہر علماء'' میں بھرپور استفادہ کیا اور اس کا ذکر ''مقالہ مستغربین'' کے عنوان سے کیا۔ میں صمیم قلب سے محترم مولانا حکیم محمود احمد صاحب برکاتی مدظلہ العالی کا مشکور ہوں، جنہوں نے میری خواہش پر اپنی اس گراں قدر تحریر کے ایک حصے کی طباعت و اشاعت کی اجازت بخوشی مرحمت فرمائی۔ جزاہ اللہ خیراً

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بحیثیت مجموعی اس ذوق وفہم سے آشنا فرمائے کہ جس کی آج ضرورت ہے۔ ربنا تقبل منّا انک انت السمیع العلیم

از طرف

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

۲ رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ / ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء

فیڈرل بی ایریا، کراچی

ولایتی بیویاں

اقوام فرنگ نے اپنے استعماری مقاصد کے لیے جو ذرائع استعمال کیے ان کا جائزہ نہ صرف یہ کہ تاریخ کا ایک موضوع ہے بلکہ اس جائزے سے یورپین اقوام کے انداز فکر کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور یہ قومیں ماضی کی طرح حال و مستقبل میں بھی اپنے استعماری نہ سہی سیاسی مقاصد کے لیے ان وسائل وذرائع کو استعمال کرسکتی ہیں، اس لیے ان وسائل سے چوکنا رہنا چاہیئے اور ان کے سد باب سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔

ان بے شمار ذرائع میں سے ایک ذریعہ یہ ہے کہ یہ قومیں اپنی عورتیں ہمارے سر منڈھ دیتی تھیں اس سر منڈھنے کے مختلف طریقے تھے ،ایک صورت تو یہ ہوتی تھی کہ برصغیر میں وارد فرنگی اپنے خاندان کی جوان اور خوبرولڑکیوں کو امراء ورؤساء وحکام کے گھروں میں میل جول کے نام پر بھیجا کرتے تھے، مسلسل آمدورفت سے روابط مختلف مراحل طے کر کے عقد وازدواج پر منتج ہوتے تھے۔ دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ برصغیر کے جن باشندوں کو ممالک مغرب کے سفر کا اتفاق ہوتا وہاں کوئی نہ کوئی ولایتی بیوی ان کے پلے بندھ جاتی تھی۔ تیسری صورت یہ ہوتی تھی کہ امراء وسلاطین کو کوئی فرنگی عورت باقاعدہ پیش کی جاتی تھی۔

ان رشتوں کے سیاسی، معاشی وتمدنی نقصانات ڈھکے چھپے نہیں ہیں۔

پہلا نقصان تو یہ ہوتا تھا کہ یہ ولایتی بیویاں ہمارے ان گھروں میں (جو معمولی گھرانے نہیں، بلکہ صاحب ثروت، بااثر اور مقتدر گھرانے ہوتے تھے) اپنے اپنے ملکوں کے رسوم وآداب کو رواج دیتی تھیں۔ لباس کے تراش وخراش، آداب ونشست وبرخاست وخورد ونوش غرض زندگی کے ہر شعبے میں اپنی زبان، رسوم، افکار وعقائد کا زبان وعمل سے تعارف کراتی تھیں۔ ان ولایتی بیویوں سے جو نسل پیدا ہوتی تھی وہ ان کے زیرِ تربیت رہنے کی وجہ سے لازماً ان کے اوضاع واطوار ہی سے نہیں، خیالات و

نظریات سے بھی متاثر ہوتی تھی۔ مشرقیت اور قدامت کے ہر پہلو سے متنفر اور مغربیت وجدت کی ہر ادا پر نثار۔ اس کے بعد مذہبی عقائد میں تزلزل کی باری آتی تھی اور ان مسلم زادوں کو نیم مسلم اور نیم مسیحی بنا دیا جاتا تھا بلکہ اس کی بھی مثالیں ہیں کہ بعض بچے علی الاعلان اور پورے پورے مسیحی ہو گئے تھے اور ان میں سے بعض اتنے وطن بیزار نکلے کہ یورپ جا کر مرے۔

یہ ولایتی بیویاں اپنی اولاد کے ساتھ گھر کے دوسرے بچوں کو متاثر کرنے سے بھی نہیں چوکتی تھیں اور اخلاق ومحبت سے اپنے قریب لا کر انہیں بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا کرتی تھیں۔ بچوں کے ساتھ گھر کی، ہم سایہ کی کم علم اور ان پڑھ عورتوں کو تبلیغ مغربیت ومسیحیت کا ہدف بناتی تھیں۔ گھر کی ملازمائیں اور ہم سایہ کی غریب عورتیں تو لامحالہ ان کی ہر طرح سے زد میں ہوتی تھیں۔

یہ ولایتی بیویاں اپنے میکے اور اعزہ سے ملاقات کے لیے یورپ کے سفر کرتی رہتی تھیں اور اس طرح شاہانہ اخراجات سفر کے علاوہ اپنے اعزہ کو خفیہ اور اعلانیہ تحائف وہدایا کی شکل میں ملکی دولت کا زیاں کرتی تھیں اور ایسی بھی مثالیں ہیں (اور آگے آتی ہیں) کہ یہ نباہ نہ ہونے کی صورت میں یا شوہر کے انتقال کے بعد یورپ واپس جاتے وقت ساری دولت اور زر وجواہر اپنے ساتھ لیتے گئیں۔

یہ ولایتی بیویاں ظاہر ہے کہ خوشحال اور دولتمند ہی نہیں بلکہ بیشتر حالات میں بااثر ومقتدر اور کسی نہ کسی اہم منصب پر فائز یا کسی حکمران کے عقد میں ہوتی تھیں اس لیے ان کے لیے اہم قومی، فوجی اور سیاسی راز کا حصول بہت سہل ہوتا تھا اور اس طرح یہ عورتیں، فرنگیوں کی بڑی معتبر مخبر اور کامیاب جاسوس ثابت ہوتی تھیں۔ اپنی قوم کے لیے جاسوسی اور مخبری کے علاوہ اپنی اقوام کی ایک دوسری اہم سیاسی خدمت یہ انجام دیتی تھیں کہ یہاں کے امراء، حکام اور مدعیان وراثت وخلافت شہزادوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسانے، بھڑکانے اور بی جمالو کا کردار ادا کرنے میں طاق تھیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض عورتیں، جس کی تفصیل آپ آئندہ اوراق میں پڑھیں گے میدان جنگ میں بھی ایک فریق کی ہم رکاب وہم عنان دیکھی گئی ہیں۔

افسوس ہے کہ ولایتی بیویوں کو گھر میں ڈال لینے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، بیسویں صدی کی

اٹھان کے ساتھ ساتھ جنگ آزادی کا جوش فزوں تر ہوتا چلا گیا اور اہل وطن کے دلوں میں فرنگی غاصبوں سے نفرت کے شعلے فروزاں ہوتے چلے گئے۔ مگر ولایتی بیویاں پھر بھی ''درآمد'' ہوتی رہیں۔ چنانچہ آج بھی پاکستان کی متعدد سیاسی وقومی اور علمی وادبی اہمیت کی حامل شخصیات کے گلوں میں یہ ولایتی بیویاں طوق بنی ہوئی ہیں۔

تقسیم وطن اور حصول آزادی کے بعد، قومی وملکی حمیت اور آزادی وخودمختاری کے تحفظ کے جذبات، توقع تھی کہ نشو ونما پائیں گے، مگر توقع سے کیا ہوتا ہے۔ ولایتی بیویوں کی درآمد اب بھی جاری ہے۔ پاکستان کے ایک صدر مملکت کے صاحبزادے کی شادی ایک غیرملکی سفیر باتدبیر کی لڑکی سے ہوئی۔ ایک وزیراعظم ایک فرنگی خاتون بیاہ کر لائے۔ مغرب سے نہ سہی مشرق وسطیٰ کے کسی مغرب زدہ ملک سے سہی۔ بعض اہم ذمہ دار افسروں کے متعلق بھی معلوم ہوا ہے کہ فرنگی خواتین ان کے ''حکومت کدوں'' کی زینت ہیں۔ مقام شکر ہے کہ گزشتہ سالوں میں حکومت نے ایک قانون کے ذریعے ملازمین حکومت کے لیے ان خواتین سے رابطہ زوجیت قائم کرنے کی ممانعت کر دی ہے۔

بہرحال اب آپ سے غدر سے پہلے کی چند ''ولایتی بیویاں'' متعارف کی جاتی ہیں۔

چندر گپت

ولایتی بیویوں کی درآمد کا سلسلہ میرے خیال میں اسی وقت سے جاری ہے جب سے فرنگیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ اور فرنگیوں کی آمد قبل مسیح دور سے جاری ہے۔ مثلاً سکندر کی پاکستان کے بعض علاقوں پر لشکر کشی (۳۲۶ ق م) اور میگاس تھنیز اطالوی (۳۰۰ ق م) کی سفیرانہ آمد و رفت تو اوراق تاریخ میں محفوظ ہیں۔ مگر ہمارے یہاں تاریخ نگاری کا جو اسلوب رہا ہے۔ اس کی بنا پر اس قسم کی تفصیلات کا اوراق تاریخ میں جگہ پانا مشکل تھا۔ سکندر کے جانشین سیلوکس کی بیٹی سے چندر گپت نے شادی کر لی تھی۔ یہ پہلی ولایتی بیوی تھی جو برعظیم کے کسی باشندے کے عقد میں آئی۔ یہ پہلی شادی سیاسی شادی بھی تھی۔ سیلوکس نے چندر گپت سے شکست کھانے کے بعد اسے اپنی بیٹی بیاہی تھی اور یوں تعلقات استوار و بحال کیے تھے۔ ہماری تاریخوں کا دائرہ حکومت، فرمانروا اور اس کے درباریوں کے حالات اور

ان کی عسکری سرگرمیوں تک محدود رہتا تھا۔ اس لیے ایسی بہت سی تفصیلات جن کی اب ہمیں ضرورت ہے ان کتب میں نہیں ملتیں۔ پھر ان تاریخوں کا معقول حصہ ضائع بھی ہو چکا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اگر چہ مقتضائے قیاس یہ ہے کہ فرنگی عورتوں کو گھر میں ڈال لینے کا سلسلہ بہت پہلے سے خصوصاً برعظیم کے جنوبی حصے میں جاری تھا۔ مگر اوراق تاریخ میں مغل عہد سے پہلے کسی ولایتی بیوی کا ذکر نہیں ملتا۔

جلال الدین اکبر

یہ عجیب بات ہے کہ مغل بادشاہ جلال الدین اکبر اگر چہ اپنے حدود سلطنت کی وسعت اور اپنے نظم مملکت کے استحکام وغیرہ کی بنا پر واقعی ''اعظم'' تھا۔ مگر فرنگ، اہل فرنگ اور دانش فرنگ سے دل چسپی بلکہ مرعوبیت میں وہ عہدِ رواں کے اچھے اچھے مغرب زدوں سے آگے تھا، اسے مغرب کی ایک ایک چیز سے دل چسپی تھی۔ وہ اہل فرنگ کی ذہانت، ان کے علوم، ان کی مصنوعات وایجادات سے مسحور و مرعوب تھا، اس نے گوا کے گورنر ولیم کو ۲۲ ربیع الاول ۹۹۰ھ (م ا-۱۵۸۲ء) کو ایک خط لکھا تھا۔ خط کا عنوان ہے ''مفاوضہ حضرت شاہنشاہی بہ دانایان فرنگ''۔ خط کے مطالب کا خلاصہ یہ ہے:

> ''ہم تمام مذاہب عالم کے علما، عقلاء کا اجتماع کر کے ہر ایک مذہب کے کلمات نفیسہ و مقاصد عالیہ سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں مگر زبانوں کا اختلاف مانع وحارج ہوتا ہے اس لیے ہمیں آپ ایک ایسا شخص عنایت فرمائیں جو اپنی باتیں ہمیں بحسن وخوبی سمجھا سکے۔ اور ہم نے سنا ہے کہ کتب سماوی مثلاً اناجیل وتوریت وزبور کا فارسی وعربی میں ترجمہ (ا) بھی آپ کے یہاں کرلیا گیا ہے۔ اس لیے مذکورہ کتابیں اور دوسری مفید کتابیں ہمیں بھجوایئے۔'' (۲)

''مختصر تاریخ ہند'' میں ویلر نے لکھا (۳) ہے کہ اکبر نے یہ خط گوا کے حاکم ولیم کو لکھوایا تھا اور اس کے جواب میں ولیم نے پادری ریڈالف کو آگرہ روانہ کیا تھا۔ جو اپنے ساتھ چند ''الہامی کتابیں'' بھی لایا تھا۔ بدایونی کا بیان ہے کہ اکبر کے دربار میں

> ''آمد و رفت فرنگیاں نیز شد وبعض اعتقادیات ایشاں رافرا گرفتند۔'' (۴)

''فرنگیوں کی آمد ورفت رہتی تھی اور اکبر نے ان کے بعض عقائد بھی قبول کر لیے تھے۔''

بدایونی ہی کا بیان یہ بھی ہے کہ اکبر نے اپنے لڑکے مراد (ف ۱۵۹۹ء) کو یہ حکم دیا تھا کہ دربار میں جو عیسائی وفد آیا ہوا ہے: ''سبقے چنداز اں بخواند۔'' (۵)

''اس سے کچھ (لاطینی) کی تعلیم حاصل کرلو۔''

معلوم نہیں شاہزادہ مراد نے لاطینی کی تعلیم ان فرنگیوں سے حاصل کی تھی یا نہیں مگر خان خاناں عبدالرحیم خاں کے متعلق تو عبدالباقی نہاوندی نے ''مآثر رحیمی'' میں لکھا ہے کہ اس نے اکبر کے حکم سے ''زبان عیسوی'' بولنے اور لکھنے کی مشق ومہارت حاصل کی تھی (٦) ایک اور درباری عبدالستار قاسم نے بھی اکبر ہی کے حکم سے ایک پادری فری بھوتن (۷) سے رومی (لاطینی) زبان حاصل کی تھی اور فلاسفہ کے اقوال وحکم پر مشتمل ایک کتاب کا بھی ترجمہ کیا تھا جس کا نام ''ثمرۃ الفلاسفہ'' رکھا تھا، اسی طرح ایک پادری سے فارسی میں ''سیرت مسیح'' اور ''سیرت مریم'' کے نام سے دو کتابیں لکھوائی تھیں۔

مختصر یہ ہے کہ اکبر مغرب اور اہل مغرب سے بہت متاثر ومرعوب تھا، اور اس دور میں کسی فرمانروا کے رجحان اور تاثر کے جو اثرات ملک واہل ملک پر مرتب ہوتے تھے اس کا بیان لاحاصل ہے، چنانچہ برعظیم میں اسی کے دور سے مسلمانوں کے گھروں میں ولایتی بیویوں کا سراغ ملتا ہے اور بعض مورخ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام خود اکبر کا ہی لیتے ہیں۔ (۸)

ایک روایت (۹) یہ ہے کہ گوا کے حاکم ولیم کی جس کے نام اکبر کے خط کا ذکر کیا جا چکا ہے، بیٹی میری اکبر کے حرم میں داخل تھی۔ اور اسی میری کی تحریک پر اکبر نے اس کے باپ کو مذکورہ خط لکھا تھا جس کے جواب میں مسیحی مبلغ اور مسیحی لٹریچر آگرہ پہنچا تھا، ولیم خود بھی پادری تھا (حاکم تو تھا ہی)۔

اس فرنگی بیوی میری کا نام مریم رکھا گیا مگر صرف نام ہی رکھا گیا تھا وہ آخر تک مسلمان نہیں ہوئی اور مری تو اس گرجا میں دفن ہوئی جو اکبر نے اس کے لیے تعمیر کروایا تھا (۱۰)۔

شہزادہ دانیال

برنیر کا بیان ہے کہ اکبر کے بیٹے دانیال (ف ۱۰۱۳ھ/ ۱۶۰۳ء) کے حرم میں ایک فرنگی بیوی

تھی اور خود دانیال بھی عیسائی ہو گیا تھا چنانچہ جب اس کے دو بیٹوں (جن میں سے ایک کا نام مرزا ذوالقرنین تھا) نے اپنے چچا جہانگیر سے جو اس وقت فرمانروا تھا عیسائی ہونے کی اجازت چاہی تو جہانگیر نے انہیں تبدیلی مذہب یا اعلان مسیحیت کی اجازت دیدی اور اس اجازت کی توجیہ یہ کی کہ ان لڑکوں کے ماں باپ عیسائی تھے۔ برنیر کے الفاظ یہ ہیں:

''جہانگیر کے اپنے دو بھتیجوں اور مرزا ذوالقرنین کو جس کا ختنہ بھی ہو چکا تھا عیسائی ہونے کی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہ کیا تھا کہ اس کے ماں باپ عیسائی تھے کیونکہ اس کی ماں جو ایک دولت مند ارمنی عورت تھی جہانگیر کی خواہش کے مطابق محل میں داخل ہوگئی تھی۔'' (۱۱)

سرٹامس رو نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے:

''جہانگیر کے بھائی دانیال کے دو بیٹے عیسائی ہو گئے تھے، پھر مسلمان ہو گئے۔'' (۱۲)

داراشکوہ

جناب امداد صابری نے ویلر کی ''مختصر تاریخ ہند'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ شاہجہاں کے بیٹے داراشکوہ کی شادی سرکیشیا کی ایک مسیحی عورت سے ہوئی تھی اس عورت کا نام مسیح النساء رکھا گیا تھا۔ (۱۳) داراشکوہ کے متعلق برنیر نے لکھا ہے:

''پادری بوزی کا دارا سے ایک زمانے میں بہت ربط ضبط تھا۔'' (۱۴)

ایک موقع پر نسبتاً وضاحت کی ہے:

''داراشکوہ پادری بوزی صاحب مقتدائے فرقہ جیسوٹ کے مواعظ دینیہ کو بھی کچھ دنوں سے بڑی رغبت سے سننے لگا تھا۔'' (۱۵)

منوچی نے بھی یہی شہادت دی ہے کہ داراشکوہ عیسائی ہو گیا تھا (۱۶) ویلر نے اپنی ''مختصر تاریخ ہند'' میں اور جلال الدین شروانی نے ''تاریخ الاول'' میں اس داستان میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ

دارا کے قتل کے بعد، یہ عورت مسیح النساء جبراً عالمگیر کے حرم میں داخل کر دی گئی تھی اور اسی کے بطن سے کام بخش پیدا ہوا تھا۔ (۱۷)

شاہزادہ معظم

عالمگیر کے بیٹے شاہزادہ معظم (شاہ عالم بہادر شاہ) کے محلات میں ایک پرتگالی لیڈی تھی، اس کا نام ڈونا جولیانہ تھا۔ اور یہ حرم شاہی کی طبیبہ تھی لیکن اہل دربار اسے بہادر شاہ کی بیوی ہی سمجھتے تھے۔

ڈونا جولیانہ کا باپ اگسٹو ڈیاسٹرا کاسٹا تھا، جو پرتگال کا رہنے والا تھا اور کوچین میں تجارت کرتا تھا، کوچین پر ولندیزیوں کا ۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۴ء میں قبضہ ہو گیا تھا تو یہ گوا اور بنگال ہوتا ہوا آگرہ پہنچا اور عالمگیر کے دربار میں رسوخ حاصل کر کے منصب دار بن گیا، ڈی کاسٹا نے چونکہ فن علاج میں بھی اپنی شد بد ظاہر کی اس لیے شاہ نے اسے شاہزادہ اعظم کا طبیب بنا دیا، مگر بعد میں اسے دکن کی مہم پر بھیج دیا گیا، جہاں وہ ۱۶۸۷ء میں مارا گیا۔ شاہ نے ڈی کاسٹا کے بعد اس کی جوان بیٹی کو جو بے ماں کی پہلے ہی تھی اور اب بے باپ کی بھی ہو گئی تھی حرم شاہی کی طبیبہ مقرر کر دیا۔ کیونکہ اس نے اپنے باپ سے یہ شد بد ''وراثت'' میں حاصل کی تھی، طبیبہ کی تنخواہ ڈھائی ہزار روپے تھی، عالمگیر کے وصال کے بعد جب شاہزادہ معظم ۱۷۰۷ء میں شاہ عالم بہادر شاہ کے لقب سے برسر حکومت آیا تو اس نے اپنے قدیم روابط (۱۸) کی بناء پر اس طبیبہ کا اعزاز محلات شاہی کے برابر کر دیا۔ تنخواہ ساڑھے چھ ہزار روپے ہو گئی۔ دو ہاتھی جن کے پیٹ پر سفید صلیب بنی ہوئی ہوتی تھی اس کی سواری کے پیچھے چلتے تھے، تقریباً دو سو فرنگیوں کی ایک فوج اس کے ماتحت تھی جن کا عزل و نصب اسی کے اختیار میں تھا۔ انہی میں اس کا بھتیجا جان ولہو بھی تھا، جو انجینئر کی حیثیت سے ساڑھے تین ہزار روپے ماہوار لیتا تھا۔

جولیانہ بہادر شاہ کے مزاج اور کاروبار حکومت و سیاست میں کتنی دخیل تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب بہادر شاہ ۱۷۰۷ء میں اپنے ایک بھائی اعظم سے جنگ آزما ہوا تو جولیانہ ہاتھی پر بہادر شاہ کی پیٹھ سے لگی بیٹھی تھی اور اسے بھڑکا رہی تھی۔

بہادر شاہ کی وفات کے بعد جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات اور شاہ جہاں ثانی اور محمد شاہ تخت پر بیٹھے تو بھی جولیانہ کے اعزازات برقرار رہے۔ بالآخر ۱۷۳۴ء عہد محمد شاہ میں اس عیار و طرار پرتگالی عیسائی عورت کا انتقال ہوا جو نہ خود باقاعدہ فن طب سے واقف تھی نہ اس کا باپ۔ اور جس نے برعظیم پاک و ہند کے ایک نازک دور میں جانے کتنی سازشیں کیں اور کتنے سیاسی فتنے اس کے دماغ کا شاہکار تھے۔ فرخ سیر کے علاج کے لیے سورت سے ڈاکٹر ہملٹن کو اس نے بلایا تھا، صحت یاب ہو کر فرخ سیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تجارتی مراعات دی تھیں۔ (۱۹)

احمد شاہ

احمد شاہ بادشاہ (جلوس ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) سے ایک فرنگی تاجر آ کر ملا اور دہلی میں قیام کیا، مگر قیام کے دو روز بعد ہی سفر آخرت پر روانہ ہو گیا۔ سفر میں اس کے ساتھ صرف ایک (۲۰) بیٹی (؟) تھی جس کا نام ROSE تھا، شاہ نے ازراہ مسافر و یتیم پروری اس بے باپ کی لڑکی کو بیگم بنا لیا اور انور جہاں بیگم خطاب عطا ہوا۔

- بعد میں انور جہاں بیگم لاکھوں روپے کے زر و جواہر لے کر لندن فرار ہو گئیں۔

شاہ عالم ثانی

شاہ عالم ثانی (جلوس ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء) سے عظیم آباد (پٹنہ) میں ایک لڑکی نے آ کر ملاقات کی اور اس ملاقات میں اتنا متاثر کر لیا کہ دوسرے ہی دن وہ بیگمات میں شامل کر لی گئی۔

ان محترمہ کا نام نامی مس ہنری (MISS HENRY) تھا، کلکتہ کے ایک مسیحی خاندان سے نسبت تھی، بعد میں بدھ مذہب اختیار کر لیا تھا اور یہ مغل شاہزادی بن گئی تھی، اس کے شکم سے تین لڑکے ہوئے جن میں سب سے بڑا لڑکا یعقوب لندن چلا گیا اور وہیں مرا۔ (۲۱)

نواب غازی الدین حیدر

دہلی کے بعد برعظیم کے دوسرے مرکزِ تمدن لکھنؤ میں بھی بہت سے اہل علم شرفاء، امراء اور

تاج داروں کے مکانات ومحلات میں ان ولایتی بیویوں کے سراغ ملتے ہیں، چنانچہ نواب غازی الدین حیدر (۱۸۱۴-۱۸۲۷ء) کے عقد میں ایک مجہول النسب فرنگی عورت تھی، جسے نواب نے ''ولایتی محل'' اور ''سلطان مریم بیگم'' کا خطاب دیا تھا اور اس کے قیام کے لیے یورپین طرز کا ایک محل بنوایا تھا جس کا نام ''ولایتی باغ'' رکھا تھا۔

اس عورت کے ساتھ نواب کے تعلق اور ازدواج کی کہانی یہ ہے کہ اس کی ماں کان پور میں اسے ساتھ لے کر رہتی تھی اور روزانہ انگریزی لباس پہنا کر نواب کی گزرگاہ پر کھڑی ہوجاتی تھی، آخر ایک سال بعد اس کی مراد بر آئی اور نواب کی نظر پڑ گئی، اور محلات شاہی میں اذنِ باریابی ملا۔ چند دن تک تو ''بے قاعدہ'' تعلق رہا، پھر ایک دن ''حاضری عباس علیہ السلام'' کہلا کر مذہب اسلام تلقین فرمایا، بیگم صاحبہ نے بطیب خاطر کلمہ شہادتین پڑھا اگرچہ ظاہر میں حب دنیا کی خاطر کیا ہو اور فرمایا ہم نے تمھیں بیگم کیا۔ اس عورت کو ابتدائی چند روز کے عطیات کی جو فہرست زائر نے دی ہے وہ دس بارہ لاکھ سے متجاوز ہے، اس سے اندازہ کیجئے کہ بعد میں کس قدر زر و جواہر اسے بخشے گئے ہونگے۔

۱۸۱۷ء میں عقد ہوا تھا اور ۱۸۲۷ء میں نواب کا انتقال ہوا۔ اس کے ۲۲ سال بعد تک یہ زندہ رہی اور دق وسل میں مبتلا ہوکر ۱۸۴۹ء میں مری۔

ان محترمہ نے کس دل سے کلمہ پڑھا تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مرنے سے پہلے ایک وصیت نامہ لکھ کر ریزیڈنٹ کے پاس بھیج دیا کہ میں اپنے اصلی مذہب (مسیحیت) پر قائم ہوں میری ماں نے محض بہ طمع زرِ دنیا مجھے اہل اسلام کو دیا، میں بھی اپنی نافہمی سے مجبور تھی ہر چند بادشاہ نے مجھے اپنے مذہب کی تعلیم وتلقین کی مگر میں باطن میں اپنے مذہب پر مستقل رہی، لہٰذا میری تجہیز وتکفین مذہب عیسائی کے موافق ہو اور ایک ثلث میری تنخواہ میں میری وصیت جاری ہو۔

چنانچہ والی وقت نے کوشش کی کہ ساری تنخواہ وثیقہ کربلا کی جائے لیکن کچھ نہ ہوا اور وصیت جاری ہوئی اور اس عورت کی تجہیز وتکفین مسیحی مذہب کے قوانین کے مطابق ہوئی اور رومن کیتھولک کے قبرستان قریب ٹیلہ شاہ پیر جلیل میں دفن ہوئی اور ترکہ اس کے حقیقی بھائی جوزف شارٹ کو ملا۔

زائر نے یہ بھی لکھا ہے کہ نواب غازی الدین حیدر کے وصال کے بعد ایک حکیم صاحب سے اس کے روابط ہو گئے تھے۔ (۲۲)

نواب غازی الدین حیدر کی ایک دوسری اہلیہ

انہی نواب غازی الدین حیدر کی ایک اور بیگم فرنگی زاد تھیں، مولف ''قیصر التواریخ'' کے قول کے مطابق ''یہ بیٹی کرنل عیش صاحب (؟) مسماۃ چمپا کے پیٹ سے، جن کا بنگلہ کان پور میں اس نام سے تھا، جب صاحب ولایت کو جا چکے تب یہ پیدا ہوئیں، اسکول میں لڑکیوں کے ساتھ پڑھنے کو جایا کرتی تھیں بلکہ طامس سیر صاحب کے باپ نے بھی ان کو پڑھایا تھا، نصرانی تھیں، جب حضرت خلد مکاں نواب غازی الدین حیدر نے تعلیم و تلقین کی فرمایا صدق دل سے ایمان لائیں۔''

ان بیگم کو نواب نے ''رنگ محل'' کا خطاب دیا تھا اور ''عزت النساء بیگم مہر علیا مبارک محل'' نام، دو ہزار ماہوار تنخواہ مقرر کی ان کا انتقال ۱۸۴۸ء میں ہوا۔ ان بیگم نے بھی اپنے ثلث وثیقہ میں وصیت لکھ کر ریزیڈنٹ کو بھیج دی تھی، یہ ثلث تین ہزار تین سو تینتس (۳۳۳۳) روپے پانچ آنے تھا۔

نواب کے بعد حکیم بندہ رضا خاں ان بیگم سے اپنے بڑھے ہوئے روابط کی بناء پر بہت بدنام ہوئے اور اس سلسلہ میں کئی بار قید بھی کیے گئے۔ (۲۳)

نواب نصیر الدین حیدر

نواب سعادت علی خاں (ف ۱۸۱۴ء) کے عہد میں ایک یورپین لکھنؤ میں آ کر آباد ہوا اور کپڑے کی تجارت کرنے لگا، اس یورپین کا نام دھبرئی تھا، دھبرئی نے لکھنؤ میں مقیم ایک یورپین کلوؤس کی لڑکی سے شادی کر لی جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے جن کے نام بعد میں امیر مرزا اور شرف النساء ہو گئے تھے، دھبرئی مر گیا، مسز دھبرئی نے ایک یورپین سولجر ہاپکنس والٹر سے ربط پیدا کر لیا، والٹر سے بھی ایک لڑکی ہیلن پیدا ہوئی تھی کہ والٹر مر گیا، اب مسز والٹر نے اپنی ''شوہری'' کے لیے والٹر کے کوچوان علی بخش ڈوم کو منتخب کیا، اس عرصے میں ہیلن جوان ہو چکی تھی، اس کے حسن

وجمال کی شہرت قصر شاہی میں پہنچی تو نواب نصیر الدین حیدر (ف ۱۸۳۷ء) نے اسے ''مسلم'' کر کے اس سے متعہ کرلیا، اور'' محذرہ عالیہ'' بنالیا، ''محذرہ عالیہ'' کی ماں اور علی بخش ڈوم کو ڈیڑھ لاکھ روپے نقد اور ریذیڈنسی کے قریب ایک کوٹھی عطا کی۔

ہیلن کو ایک دن قصر شاہی سے نکال دیا گیا کیونکہ نواب نے اسے ایک معمولی ملازم کے ساتھ مصروف اختلاط دیکھ لیا تھا، مگر چونکہ ہیلن اب صرف ہیلن نہیں رہی تھی، ممتوعہ ہوچکی تھی، محذرہ عالیہ رہ چکی تھی، اس لے چھ ہزار ماہوار وثیقہ کر دیا۔

نواب نصیر الدین حیدر کے انتقال کے تین سال بعد ۱۸۴۰ء میں ہیلن نے اسقاط حمل کی کوشش میں جان دیدی، کوشش تو یہ کی گئی کہ اسے مقبرہ شاہی میں دفن کیا جائے مگر والئی وقت نواب محمد علی شاہ نے اجازت نہیں دی اور علی بخش کی کوٹھی کے احاطے میں اسے دفن کیا گیا۔ (۲۴)

میر حسن علی لندنی

لکھنؤ کے ایک صاحب میر حسن علی بارہ برس انگلستان رہ کر لوٹے تھے، اس لیے اس دور کے رواج کے مطابق ''لندنی'' کہلاتے تھے۔ میر حسن علی لندنی ولایت سے آتے ہوئے ایک ولایتی بیوی اپنے ساتھ لیتے آئے تھے، یہ عورت محلات شاہی میں بکثرت آیا جایا کرتی تھی اور اسے وہاں سے بہت کچھ ملتا تھا، میر صاحب نے لندن میں اس عورت پر یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ مجرد ہیں مگر جب لکھنؤ آکر اس پر یہ کھلا کہ میر صاحب پہلے ہی سے صاحب اہل وعیال ہیں تو برہم ہو کر ریذیڈنٹ رکٹس صاحب کی بیگم کے ساتھ وطن واپس چلی گئی اور وہاں ایک اسکول کھول لیا اور اپنے سفر وقیام لکھنؤ مشاہدات وتجربات اور اودھ کے رسوم وآداب پر مشتمل ایک کتاب دو جلدوں میں لکھ کر شائع کی جو وہاں بہت پڑھی گئی۔

اس ولایتی بیوی کی وجہ سے ریذیڈنٹ نے نواب غازی الدین حیدر سے سفارش کی اور نواب نے انہیں تین سو روپے ماہانہ پر ملازم رکھ لیا، بیوی کے لندن واپس چلے جانے پر یہ تنخواہ سو روپے رہ گئی نواب محمد علی شاہ کے عہد میں میر صاحب ریذیڈنسی کے داروغہ اور سفیر بھی مقرر کیے گئے اور واجد علی شاہ کے عزل (۱۸۵۶ء) تک سفیر کی حیثیت سے کلکتہ رہے ۱۸۶۳ء میں انتقال کیا۔ (۲۵)

مولوی محمد اسماعیل لندنی

مولوی محمد اسماعیل بن وجیہ الدین مراد آباد میں پیدا ہوئے تھے، لکھنؤ میں اساتذہ وقت سے تحصیل علوم کی تھی اور وہیں قاضی بنا دیئے گئے تھے۔ نواب نصیر الدین حیدر نے انہیں اپنے ایک مقدمے کی پیروی کے لیے سفیر بنا کر لندن بھیجا تھا کرنل ڈیوا اور فریل صاحب ساتھ کر دیئے گئے تھے، تقریباً تیس لاکھ روپے کا ساز و سامان ساتھ دیا تھا تاکہ شاہ جارج چہارم کو بطور ہدیہ پیش کیا جائے۔ مولوی اسماعیل صاحب کو مقدمے کی پیروی میں تو قطعاً کامیابی نہیں ہوئی مگر وہ وہاں ڈف نامی ایک عورت سے ازدواج میں ضرور کامیاب ہو گئے اور ہمیشہ کے لیے اوراق تاریخ میں لندن سے منسوب ہو گئے۔ مولوی صاحب ''کام جان'' حاصل کر کے اور مشن میں ناکام ہو کر واپسی میں بمبئی پہنچے تھے کہ عالم آخرت کے سفر دراز پر روانہ ہو گئے، ڈف بمبئی ہی سے ولایت واپس لوٹ گئی (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۸ء)۔

صاحب ''نزہۃ الخواطر'' سے مولوی محمد نعیم فرنگی محلی نے بیان کیا تھا کہ مولوی صاحب سے مراجعت سفر میں ان کی ولایتی بیوی نے کہا حجاز چل کر حج کر لو، تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ میں اینٹ پتھر کے کعبے پر ایمان نہیں رکھتا۔ (۲۶) اعاذنا اللہ من الھفوات الواھیۃ والکلمات الکفریۃ.

مرزا مظفر بہادر

اکبر شاہ ثانی (ف ۱۸۳۷ء) کے ایک لڑکے مرزا سلیمان شکوہ کے لڑکے مرزا مظفر بہادر نے ''سلمیٰ بیگم من جملہ ازدواج جنرل مارٹن سے عقد شرعیہ کیا۔'' (۲۷)

عظیم اللہ خاں

عظیم اللہ خاں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ایک معروف مجاہد تھے، عظیم اللہ خاں نے انگریزی کی تعلیم حاصل کی تھی اور تحریر و تقریر پر خوب قادر تھے، اس لیے ان کے دوست نانا صاحب نے اپنے مقدمے کی پیروی کے لیے ان کو لندن بھیجا تھا اور ان کے ساتھ محمد علی جیمی گرین، بالا صاحب

گھو کھلے وغیرہ بھی گئے تھے اور بہت سارو پیہ لے کر گئے تھے وہاں ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں قیام کیا تھا، انگلستان میں ان کے شاہانہ خرچ کی دھوم مچ گئی تھی۔ عظیم اللہ خاں کے مردانہ جمال و وجاہت اور شریفانہ اندازِ معاشرت نے لندن کے لارڈز کی لڑکیوں کو ان کا گرویدہ بنادیا تھا اخبارات میں ان کو پرنس آف انڈیا لکھا جاتا تھا، بکثرت بتانِ فرنگ نے ان پر اپنے حسن و جمال کے جال پھینکے مگر یہ جس مقصد کے لیے گئے تھے اس کے حصول میں کوشاں اور پریشاں رہے اور بالآخر اس دور کے تمام وفود کی طرح یہ وفد بھی ناشاد و نامراد واپس آ گیا۔

لندن میں جن شاہدانِ فرنگ نے عظیم اللہ خاں کے دل کی بولی لگائی تھی ان میں ایک نواب زادی بھی تھیں مگر عظیم اللہ خاں اس کی پیشکش کو ٹھکرا کر وطن لوٹ آئے، کچھ دن بعد یہ عیار وفنکار بھی سیاحت کے حیلے مصر، سیلون اور رنگون ہوتی ہوئی کلکتے پہنچی اور اس وقت کے وائسرائے لارڈ کیننگ کی مہمان بنی اور عظیم اللہ خاں کو کلکتے بلا کر ملاقات کی اور اپنی پذیرائی پر اصرار کرتی رہی مگر عظیم اللہ کو شاہد و رعنا کی شہادت کا سودا سمایا ہوا تھا، انہوں نے اس سرخ روحسینہ کی دعوت کو مسترد کر دیا، اس عورت کے ۲۱ خطوط کا ایک مجموعہ لندن سے شائع ہوا تھا جس کے ساتھ دو خط عظیم اللہ خاں کے بھی تھے، ان ۲۳ خطوط کا اردو ترجمہ ڈاکٹر عبدالغفور بسمل بریلوی نے ۱۹۲۲ء میں شائع کیا تھا۔ (۲۸)

یہ ہے داستان اس ولایتی عورت کی جو بیوی نہ بن سکی۔

سید عبداللہ جائسی

سید عبداللہ بن سید محمد جائس ضلع رائے بریلی کے رہنے والے تھے، جبل پور اور بنارس میں تعلیم حاصل کر کے اور سیری کا امتحان پاس کیا تھا، پنجاب میں ملازم ہو گئے پھر ۱۸۴۸ء میں لندن چلے گئے وہاں ۱۸۶۴ء سے ۱۸۶۶ء تک لندن یونی ورسٹی میں استاد رہے پھر ہندوستان آ کر محکمہ تعلیم میں ڈپٹی ڈائرکٹر ہو گئے، ستھیاری (صوبہ اڑیسہ) میں انتقال ہوا۔ گارساں دتاسی نے اپنے مقالات میں انہیں تعلیمی مسائل میں سرسید کا ہمنوا اور اردو کا حامی، مفکر اور سیاست داں لکھا ہے (۲۹)۔

ان صاحب نے لندن پہنچ کر ایک پادری کی بہن اور ایک فوجی افسر کی بیٹی سے شادی کر لی

تھی، سید محمد زائر نے لکھا ہے کہ یہ شادی سید صاحب کے مسیحیت قبول کر لینے کے بعد ہوئی تھی (۳۰)۔ اس طرح ان ولایتی بیوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے جھوٹے سچے قبول اسلام کی بجائے شوہر کو حلقہ بگوش مسیحیت فرما لیا تھا۔

سید وحید الدین آزاد

شمس العلماء نواب امداد امام اثر عظیم آبادی کے والد سید وحید الدین آزاد، زیدی سادات میں سے تھے، پٹنہ (بہار) کے موضع کرائے پرسرائے کے رہنے والے تھے، ملازمت میں ترقی کر کے صدر اعلیٰ بن گئے تھے، ''حد تحقیق'' فقہ و تصوف کے موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی، چار شادیاں کی تھیں، ان میں سے ایک بیوی ''میم صاحبہ'' تھیں، جن سے اولاد بھی ہوئی تھی (۳۱)۔ انہی سید وحید الدین آزاد کے پوتے اور نواب امداد امام اثر کے صاحبزادے سر علی امام کی دوسری شادی ایک باوقار اور شریف انگریز خاتون سے ہوئی تھی جن کا نام میری MARY تھا، مگر جلد ہی ان خاتون کا انتقال ہو گیا، سر علی امام ان خاتون سے بہت ہی التفات فرماتے تھے اور جب انہوں نے ایک سوا ایکڑ زمین پر جو محلہ مانک چند تالاب میں تھی اپنا پیلس تعمیر کروایا تو اس کا نام ''میری منزل'' رکھا، بعد میں ان کا نام مریم رکھ دیا گیا تھا (۳۲)۔

حواشی

(۱) انجیل کا فارسی ترجمہ بادشاہ کے حکم سے ابوالفضل نے اس خط کی تحریر سے چار سال قبل ۹۸۶ھ میں کر لیا تھا، منتخب التواریخ ص ۳۰۸ طبع کلکتہ

(۲) انشاء ابوالفضل دفتر اول ص ۳۳ و مابعد

(۳) ویلر کی مختصر تاریخ ہند بحوالہ فرنگیوں کا جال ص ۳۷ و مابعد

(۴) منتخب التواریخ ص ۳۱۶

(۵) منتخب التواریخ ص ۲۲۹

(۶) ماثر رحیمی ص ۲۵ طبع کلکتہ

(۷) مولانا ابوالکلام آزاد نے اس کا صحیح تلفظ گریمون GRIMON لکھا ہے (حواشی ابوالکلام ص ۵۵۳)،

ممکن ہے بدایونی نے غریمون لکھا ہو۔

(۸) ہم نے اپنا دائرہ تلاش و گفتگو برعظیم تک ہی محدود رکھا ہے۔ ورنہ اکبر کے بعض اسلاف کے گھروں میں بھی یہودی، مسیحی اور فرنگی عورتوں کے ہونے کا ثبوت ملتا ہے مثلاً اکبر کے پردادا عمر شیخ مرزا کے گھر میں ایک یہودی خاندان کی عورت تھی، جو موسیقی کی ماہر تھی اور جس کا نام سلماتی بیگم تھا یا تیموری گھرانے میں رکھا گیا تھا۔ اسی تیمور کے پوتے سلطان محمد مرزا (بن میران شاہ) کے گھر میں ایک مسیحی شاہی خاندان کی عورت تھی جو مسلمان ہوگئی تھی۔ پہلا نام کیتھرائن تھا اور دوسرا نام جان عالم بانو بیگم، اس کے والد میران شاہ نے بھی ایک یہودی عورت سے عقد کرلیا تھا جس کا نام انطا کیہ بیگم تھا، یہ عورت ایک متعصب یہودی تھی۔ ایک روز اپنے شوہر سے کسی مذہبی موضوع پر گفتگو میں ایسی باتیں کہہ گزری کہ شوہر نے ملی حمیت سے مجبور ہو کر قتل کردیا، خود تیمور نے بھی ایک مسیحی عورت سے نکاح کرلیا تھا جو کولگنی میں پیدا ہوئی، وہیں بیاہی گئی مگر شوہر کو چھوڑ کر اٹلی پہنچ گئی اور دوسرا شوہر کرلیا۔ پھر اس کو بھی چھوڑ کر قاہرہ کے ارادے سے نکلی اور قزاقوں کے ہاتھ لگ گئی اور پھر تیمور تک پہنچی اور بالآخر اپنی سازشوں کے سبب قتل کی گئی۔

(۹) ویلر کی تاریخ ہند بحوالہ فرنگیوں کا جال ص ۳۷ و مابعد

(۱۰) جلال الدین شروانی، تاریخ الاول بحوالہ بالا

(۱۱) سفر نامہ برنیر، طبع کراچی ۱۹۶۰ء

(۱۲) سفر نامہ ٹامس رو بحوالہ فرنگیوں کا جال ص ۳۶

(۱۳) فرنگیوں کا جال ص ۳۶

(۱۴-۱۵) سفر نامہ برنیر ص ۳۹

(۱۶) داستان عہد مغلیہ ص ۶

(۱۷) فرنگیوں کا جال ص ۳۴

(۱۸) شاہزادہ کو ایک بار جب عالمگیر نے ناخوش ہو کر نظر بند کردیا تھا تو جولیانہ چھپ چھپ کر اس کے پاس پہنچتی اور خدمتیں کرتی تھی۔

(۱۹) مغل فرمانس اینڈ سندس آف جسوئٹ مشن از ریو، ایف، فیلیکس، آگرہ ۱۹۰۸ء

(۲۰) آپ نے غور فرمایا! ڈی کاسٹا بھی تاجر تھا مگر اس کا خاندان بھی صرف ایک بیٹی جولیانہ پر مشتمل تھا، جسے دکن جاتے وقت ظاہر ہے کہ محلات شاہی میں چھوڑ گیا ہوگا اور دکن کی مہم میں مارا گیا (یا کہیں بھاگ گیا)، یہ فرنگی تاجر بھی اپنے تجارتی سفر میں اپنی کل کائنات روزی کو ساتھ لیے پھرتا تھا، کیا یہ دونوں بردہ فروش نہیں ہوسکتے؟ اور جولیانہ اور روزی ان کی لڑکیوں کی بجائے ان کا مال تجارت نہیں تھیں؟ بلکہ میں تو اس میں تجارت سے بھی زیادہ سیاست سمجھتا

ہوں، اور میرے خیال میں تو ان لڑکیوں خصوصاً جولیانہ کو خصوصی سیاسی تربیت دیکر بیٹی بنایا گیا اور پھر لال قلعہ میں بھیجا گیا، کیونکہ ۱۷۰۷ء (وصال شاہ عالمگیر) کے بعد سے ۱۷۳۴ء (اس فرنگی شاطرہ جولیانہ کی موت) تک جتنے انقلاب آئے وہ تاریخ ہند میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اس ۲۷ سال کے قلیل عرصے میں ۵ بادشاہ تبدیل ہوئے اور تخت کے لیے مدعیان حکومت میں ۷ بار جنگیں ہوئیں۔ اسی جولیانہ کے ''عہد سیاست'' میں ڈاکٹر مارٹن کے توسط سے۔ (''ہمدرد صحت'' نومبر ۱۹۵۴ء، ''نگار'' کراچی اگست ۱۹۶۴ء)

(۲۱) نگار، کراچی اگست ۱۹۶۴ء

(۲۲) قیصر التواریخ ۳/ ۵۴-۵۵ طبع لکھنؤ ۱۹۰۷ء، مشرقی تمدن کا آخری نمونہ ص ۱۱۲ از شرر، طبع کراچی

(۲۳) ''زمانہ'' کان پور اگست ۱۹۴۰ء مضمون شیخ تصدق حسین لکھنوی، تاریخ اودھ ص ۸۷ جلد ۳ از نجم الغنی کان پوری، قیصر التواریخ ص ۲۴۷ جلد ۳، فرنگیوں کا جال ص ۴۱۔

(۲۴) قیصر التواریخ ص ۳۸، ۵۵، ۵۶، ۸۷ جلد ۳، تاریخ اودھ ص ۸۷ جلد ۲۔

(۲۵) قیصر التواریخ ص ۲۳۱

(۲۶) قیصر التواریخ ص ۳۳۳، تذکرہ علماء ہند ص ۱۷۹، نقوش سلیمانی ص ۸۲ طبع کراچی

(۲۷) قیصر التواریخ ص ۲۸۳

(۲۸) سہ ماہی ''العلم'' کراچی آزادی نمبر ۱۹۵۷ء

(۲۹) خطبات گارساں دتاسی ص ۴۹

(۳۰) قیصر التواریخ ص ۱۸۵

(۳۱) مسلم شعرائے بہار ص ۶۶ جلد اول از حکیم احمد اللہ ندوی

(۳۲) شہاب بیتی ص ۱۱۶ از شہاب الدین رحمت اللہ آئی سی ایس پرنٹ میڈیا پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۲ء

ولایتی شوہر

فرنگ (یورپ وامریکا وغیرہ) اور برعظیم کے روابط کے بہت سے پہلو ہیں۔ سیاسی، تجارتی، معاشرتی، علمی وغیرہ۔ مثلاً وہ سیاح جو اُدھر سے اِدھر آئے۔ وہ سیاح جو اِدھر سے اُدھر گئے۔ یہاں کی زبانوں کے وہ الفاظ جو وہاں کی زبانوں میں رائج ہو گئے، وہاں کی زبانوں کے وہ الفاظ جو یہاں کی زبانوں میں در آئے۔ وہاں کی وہ عورتیں جو یہاں کی مردوں کے عقد میں آئیں، یہاں کی وہ عورتیں جو وہاں کے مردوں سے وابستہ رہیں۔

ہم نے فرنگ و برعظیم کے بہت سے روابط کا مستقل مضامین میں جائزہ لیا ہے۔ پیش نظر تحریر میں ان مقامی عورتوں کا سرسری ذکر مقصود ہے جن کا کسی فرنگی باشندے سے تعلق تھا۔

ا- بیگم شمرو

واٹر رین ہارڈ Water Rein Hardt ایک فرنگی تھا، جو برعظیم میں رہ پڑا تھا، اس نے اپنی ایک فوج بنالی تھی، جس کی بناء پر اس کو غیر معمولی شہرت واہمیت حاصل ہوگئی تھی، وہ بعد میں اپنے اصل نام کے بجائے شمرو کے نام سے مشہور ہوا۔

شمرو کی ولادت زالس برگ میں ۱۷۲۰ء میں ہوئی۔ وہ نوعمری میں پانڈیچری پہنچا وہاں سے جنوبی ہند آکر فرانسیسی فوج میں ملازم ہوگیا، پھر بنگال میں ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' میں ملازم ہوگیا، پھر میر قاسم کی فوج میں، پھر سراج الدولہ کی فوج میں، پھر شجاع الدولہ کی فوج میں، پھر حافظ رحمت خاں کی فوج میں ملازمت کرتا رہا، آخر میں نجف خاں کی ملازمت اختیار کی، جس نے اسے سردھنے (ضلع میرٹھ) میں جاگیر دیدی تھی، شمرو کا انتقال ۱۷۷۸ء میں ہوا۔

شمرو نے ایک مقامی عورت سے شادی کرلی تھی جو تاریخ برعظیم میں ''بیگم شمرو'' کے نام سے

مشہور ہوئی ۔بیگم کوتانہ (ضلع میرٹھ) کے ایک شخص لطف علی خان کی لڑکی تھی ۱۷۵۱ء میں پیدا ہوئی تھی، شمرو سے شادی کے بعد اس نے ''مسیحیت'' اختیار کرلی تھی ،لال قلعہ کے حکمراں شاہ عالم ثانی (ف ۱۸۰۶ء) نے اس کی خدمات اور اعانت کے جواب میں اسے ''زیب النساء'' کا نام اور ''فرزند عزیزہ'' کا خطاب بھی دیا تھا اور شمرو کی جائیداد بھی اسی کے نام منتقل کردی ،شمرو کی فوج کی سربراہ بھی بیگم ہی مقرر ہوئی ،اس فوج میں پانچ بٹالین اور ایک مغل گھڑ سوار رجمنٹ تھی ، چالیس توپیں بھی تھیں اور توپ ڈھالنے کا کارخانہ بھی۔شمرو سے بیگم کی کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔پہلی بیوی سے اس کے ایک لڑکا ظفریاب خاں (۱) تھا، جس سے تعلقات خوش گوار نہیں رہے۔

بیگم شمرو کو انیسویں صدی کے نصف اول میں غیر معمولی اہمیت وشہرت حاصل ہوئی ،اس کی وجہ اس کی سپاہ سے زیادہ ذہانت اور سیاسی سوجھ بوجھ اور انتظامی صلاحیت تھی ۔اپنے دور کے متعدد معرکوں میں اس نے نمایاں حصہ لیا، مثلاً شاہ عالم ثانی کے خلاف نجف خان کی بغاوت میں اس نے شاہ عالم کا ساتھ دیا، اسی طرح غلام قادر روہیلہ کی شاہ عالم ثانی کے خلاف بغاوت میں بھی شاہ عالم کا ساتھ دیا مگر جب ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی پر حملہ کیا تو اس نے لارڈ لیک کا ساتھ دیا۔

وہ ایک جدت پسند عورت بھی تھی مولوی عبدالقادر کا بیان ہے کہ اس کی سپاہ زیادہ تر مسلمان سپاہیوں پر مشتمل تھی اور سواروں کے قواعد فارسی زبان میں تھے مثلاً تیغ علم (تلوار سونت لو)، برکتف (کاندھے پر رکھ لو)، دست راست (سیدھے ہاتھ کو چلو)، یک دست (تلوار نیام میں کرلو)۔(۲)

اس نے سردھنے میں ایک گرجا اور چاندی چوک میں ایک کوٹھی بھی بنوائی تھی ،دہلی میں ایک باغ بھی لگایا تھا، اس نے شمرو کے مرنے کے بعد ایک فرانسیسی افسر میجر لو واسول سے عقد کرلیا تھا، مولوی عبدالقادر خاں لکھتے ہیں:

''کہتے ہیں اس نے عیسائی مذہب اختیار کرلیا ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کو اس سے کوئی سروکار نہیں اس کا مقصد کامیاب زندگی بسر کرنا ہے مسلمانوں میں قرآن خواں ہے اور عیسائیوں میں انجیل داں، یہودیوں کے سامنے ان دونوں

سے انکار اور گروہ ہنود میں سب سے بیزار، پارسیوں کے نزدیک آتش پرست ہے تو سکھوں کے سامنے گرنتھ ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔'' (۳)

بیگم نے جائیداد کے علاوہ اپنے بعد سات لاکھ پونڈ نقد چھوڑے تھے جس میں سے اس کی وصیت کے مطابق پندرہ ہزار پونڈ چوک بشپ کنٹربری کو، ایک لاکھ کلکتے کے بشپ کو، پچاس ہزار ہندوستان کے کیتھولک مشن کو ملے۔ ۸۸ سال کی عمر میں ۱۸۳۶ء میں بیگم کا انتقال ہوا۔

بیگم کی سوانح حیات جے سنگھ نے اہل انگلستان (؟) کی فرمائش پر لکھے تھے مگر وہ راہ میں ضائع ہو گئے، انگلستان نہیں پہنچ سکے۔ اس کے علاوہ خود بیگم کی فرمائش پر ۱۸۲۲ء میں منشی گوکل چند نے ''زیب التواریخ'' کے نام سے اس کی منظوم سوانح لکھی، جسے منشی مانک چند نے مکمل کیا، اس کا مخطوطہ ''ادارہ تحقیق عربی وفارسی'' ٹونک میں ہے، جسے مولانا منظور الحسن برکاتی نے مدون کیا ہے۔ (۴)

۲۔ بیگم اسکنر

اسکنر (Skinner) ایک فرانسیسی باشندہ تھا جو برعظیم میں مقیم تھا، ایک راجپوت عورت سے اس کا تعلق تھا، اس عورت کے بطن سے ۱۷۷۸ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام جیمس اسکنر رکھا گیا۔ (۵)

''مسز آرڈ (Orde) میرٹھ کی رہنے والی تھیں، پچاسوں گاؤں کی مالک تھیں، یہ کرنل اسکنر کی اولاد تھیں، جن کا بنایا ہوا گرجا دہلی میں ہے۔ ان کی بیٹی مسز فاربس (Forbes) مسوڑی میں رہتی تھیں اور کئی کوٹھیوں کی مالک تھیں، جاڑوں میں لکھنؤ میں محلہ دلکشا میں رہتی تھیں اور ٹھیٹ دلکش اردو نہایت محاورے دار بولتی تھیں۔'' (۶)

۳۔ محمدی بیگم

اسکنر کے بیٹے جیمس اسکنر نے ایک مسلمان عورت محمدی بیگم سے رشتہ استوار کیا تھا۔ جیمس مرہٹہ فوج میں ملازم ہوا مگر جب ۱۸۰۳ء میں انگریزوں اور مرہٹوں کی جنگ ہوئی تو جیمس نے انگریزوں

کے خلاف لڑنے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ انگریزی فوج سے جاملا اور سواروں کی ایک رجمنٹ اس کے تحت مقرر ہوئی جو ''اسکنر ہارس'' کہلاتی تھی۔ ۱۸۴۱ء میں جیمس کا ہانسی میں انتقال ہوا۔

محمدی بیگم سے جیمس کے ایک لڑکا یوسف اور ایک لڑکی ہوئی، لڑکی کی شادی ایک عیسائی جیم صاحب سے ہوئی تھی، ایک لڑائی میں جیم صاحب کی ٹانگ میں گولی لگی اور ڈاکٹر نے ٹانگ کاٹ دی، جس کے صدمے سے اس کی موت واقع ہوگئی، جیم صاحب کی بیوی (محمدی بیگم کی بیٹی) نے موت کی خبر سن کر کالے کپڑے پہن لیے۔ خواجہ حسن نظامی کا بیان ہے کہ

> ''جیمس اسکنر کہا جاتا ہے کہ مسلمان ہو گئے تھے ...... اسکنر صاحب کی بیوی محمدی بیگم مسلمان تھیں ان کے لڑکے (یوسف) بھی مسلمان ہو گئے تھے [یعنی پہلے عیسائی تھے] .... اسکنر صاحب کی مسلمان اولاد کی قبریں میرے مکان عربی منزل کی غربی دیوار کے نیچے سنگ مرمر کی موجود ہیں۔'' (۷)
>
> ''محمدی بیگم کی قبر میرے حجرے کے سامنے ہے۔'' (۸)

۴- چمپا

چمپا ایک ہندوستانی (ہندو؟) عورت تھی، جس نے کان پور میں ایک فرنگی فوجی کرنل ایش سے شادی کر لی تھی جس کے بعد اس کے بطن سے ایک لڑکی میری پیدا ہوئی، بعد میں کرنل ایش، چمپا اور میری یہیں چھوڑ کر یورپ چلا گیا۔ چمپا اپنی فرنگی نژاد بیٹی کو اچھی جگہ ٹھکانے لگانا چاہتی تھی، چنانچہ روزانہ والی اودھ نواب غازی الدین حیدر کی گزرگاہ پر کھڑی ہو جاتی، آخر ایک دن چمپا کی مراد پوری ہوئی اور نواب کی نظر میری پر پڑ گئی اور محلات میں داخل کر لی گئی اور ''عزت النساء بیگم مہر علیا مبارک محل'' خطاب پایا، دو ہزار ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی جو بعد میں پورے دس ہزار روپے ہوگئی۔ (۹)

۵- حیات النساء

یہ عورت ایک فرنگی اگسٹس بروک کی مدخولہ تھی جو بنارس کا حاکم تھا۔ سید احمد شہید جب اپنے

تبلیغی دورے کے سلسلے میں بنارس پہنچے تو اور بہت سے مسلمانوں کی طرح یہ عورت بھی آکر بیعت ہوئی اوراس کے بعد اپنے نصرانی شوہر سے علیحدگی اختیار کرلی اور باقی عمر یاد الٰہی میں صرف کر کے بحیثیت مسلمان مری ۔اس عورت نے اپنا مکان اور ہزاروں نقد روپیہ سید صاحب کی نذر کیا مگر آپ نے یہ نذر قبول نہیں کی اور فرمایا یہ مال خبیث ہے ۔پھر حکیم سلامت علی خاں، مولوی غلام یحییٰ، مرزا کریم اللہ بیگ اور مولوی عبدالقادر نے مل کر دس ہزار روپے جمع کیے اور دوسو روپے ماہانہ کرائے پر لے کر حیات النساء کی طرف سے تجارت شروع کی اس تجارت میں بہت نفع ہوا، نفع میں سے پانچ ہزار کی رقم میاں دین محمد کی خدمت میں پیش کی انہوں نے قبول نہیں کی اور فرمایا بے اجازت نہیں لے سکتا۔(۱۰)

۶- بیگم منڈو

یہ بھی مسلم گھرانے کی عورت تھی مگر ایک انگریز مسٹر مندو کے گھر میں تھی ،سید احمد شہید رائے بریلوی جب اپنے تبلیغی دورے میں کان پور پہنچے تو جہاں ہزاروں افراد آپ سے بیعت ہوئے اور اپنے معاصی سے تائب ہوئے ، یہ عورت بھی بیعت ہوئی ۔اپنا گھر اور مسجد اور دو تین کوٹھے جو اس کی ملکیت و تولیت میں تھے سید صاحب کی نذر کیے ۔سید صاحب نے ردوکد کے بعد فرمایا ہم نے تمہاری نذر قبول کی اب ہماری طرف سے تم ان املاک کی متولی ہو، یہ رقم مسافروں اور ہمارے رفقاء کی ضیافت میں صرف کیا کرو۔(۱۱)

۷- جیمس کے گھر میں

جیمس ہیڈر لے ،ساس بری (انگلستان) یا فرانس کے ایک رئیس کا لڑکا تھا۔۱۷۸۷ء میں پیدا ہوا اور باپ کے ساتھ خورد سالی میں برعظیم آ گیا ،باپ تو واپس چلا گیا مگر جیمس یہیں رہ گیا اور فورٹ ولیم کالج (کلکتہ) میں ملازم ہو گیا ۔پھر بریلی ، میرٹھ ،مراد آباد ،سہارن پور میں اعلیٰ عہدوں پر مامور ہوتا رہا۔آخر میں جھجر میں ملازم ہو کر مقیم ہو گیا اور ایک مسلم عورت سے تعلق پیدا کرلیا۔

اس عورت کے بطن سے ۱۸۲۹ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام الیگزنڈر ہیڈر لے رکھا

گیا۔ یہ لڑکا جوان ہو کر ڈاکٹر بنا اور مطب بھی کرتا تھا مگر الور میں توپ خانے کے کپتان کی حیثیت سے ملازم تھا، اردو میں شعر بھی کہتا تھا، آزاد تخلص تھا، صاحب دیوان تھا، مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرتا تھا، غالب نے اپنے متعدد خطوط میں الک صاحب کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔ آزاد کا تیس سال کی عمر میں ۱۸۶۱ء میں انتقال ہو گیا، آزاد کا دیوان اس کی موت کے بعد اس کے بھائی طامس ہیڈر لے نے ۱۸۶۳ء میں مطبع احمدی آگرہ سے شائع کیا تھا۔ (۱۲)

۸۔ سرون

دہلی کا انگریز ریزیڈنٹ ولیم فریزر ہندوستانیوں سے بہت میل جول رکھتا تھا۔ عوام اسے فریدوں اور فریدن کہتے تھے، وہ جب جوائنٹ ریزیڈنٹ تھا ضلع رہتک کی ایک قبول صورت ہندو جائتی کو اغوا کر کے اپنے گھر میں ڈال لیا، اس اغوا پر مسلمانوں اور ہندوؤں میں بے چینی پھیل گئی تھی۔ اس جائتی کا نام سرون تھا، ہریانی زبان میں سرون کا گیت اب تک مقبول ہے۔ (۱۳)

۹۔ ایک اور آشنا

یہی ولیم فریزر جب ۱۸۲۰ء میں دہلی کا ریزیڈنٹ بن کر دہلی آیا تو اس کا نواب احمد بخش خاں والی لوہارو کے گھرانے میں بھی آنا جانا ہوا، یہاں ان کی ایک رشتہ دار خاتون سے اس کے تعلقات ہو گئے۔ ۱۸۳۵ء میں کسی نے فریزر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ کمپنی کے حکام نے نواب احمد بخش کے بیٹے نواب شمس الدین خاں کو فریزر کا قاتل قرار دے کر پھانسی دے دی۔ اہل دہلی کا گمان تھا کہ مرزا غالب نے نواب شمس الدین خاں کے خلاف مخبری کی تھی۔ (۱۴)

۱۰۔ خیر النساء

انیسوی صدی کے وسط میں حیدر آباد دکن میں ایک انگریز ریزیڈنٹ کرک پیٹرک تھا جس نے ایک حیدر آبادی عورت خیر النساء سے رشتہ قائم کر لیا تھا اور جس مکان میں اپنی دیسی بیوی کو رکھا تھا، اس مکان کا نام ''رنگ محل'' رکھ کر اپنے حسن ذوق اور شاعرانہ مزاج کا ثبوت دینا چاہا تھا۔

خیر النساء کے بطن سے اس فرنگی کے ایک لڑکے اور ایک لڑکی نے جنم لیا، یہ دونوں بچے جب تین چار سال کے ہوگئے تو فرنگی باپ نے ان کی دیسی اور کالی ماں کے صحبت کے اثرات بد اور حسن تربیت نہ ملنے کے خوف سے لندن روانہ کردیا اور پھر یہ دونوں بچے اپنے ''گورے'' باپ سے مل سکے نہ ''کالی'' ماں سے۔ کیونکہ یہ ''اینگلو دکنی'' جوڑا کچھ دن بعد دکن سے کلکتہ منتقل ہوگیا، جہاں کرک پیٹرک چل بسا اور خیر النساء خیر سے دکن واپس لوٹ آئی۔

کرک پیٹرک نے اپنی بیٹی کا نام کیتھرائن آرورار کھا اور خیر النساء نے اپنے ذوق کے مطابق ''صاحب بیگم بی بی صاحبہ'' تجویز کیا تھا مگر لندن جا کر ظاہر ہے کہ مشرقی نام لڑکی کی مغربیت کو مشتبہ بنا سکتا تھا اس لئے وہ بڑی ہو کر کیتھرائن کے نام اور اس کے مخفف کیٹی سے مشہور ہوئی۔ مشہور اہل قلم کارلائل سے کیٹی کے ''دوستانہ'' مراسم ہوگئے تھے۔ مگر یہ دوستی ازدواج پر منتج نہ ہوسکی اور کیٹی نے کارلائل کی خواہش و کوشش کے علی الرغم ایک فوجی سے شادی کرلی، کارلائل (ف ۱۸۸۱ء) اس صدمے کو عمر بھر نہ بھلا سکا اور اپنی تحریروں میں اس کا ذکر اکثر کرتا رہا۔ (۱۵)

۱۱- ایک خانگی عورت

''ایک خانگی عورت نے اپنا گھر اس طرح خوب سجایا کہ اس کی ایک زمانے میں کسی انگریز سے شناسائی تھی اور اس سے اولاد بھی ایک بیٹا و بیٹی تھے۔ جن کو باپ کے مرنے کے بعد ان کی وصیت کے موافق بہت دولت ہاتھ آئی۔ ان ماں بیٹوں نے انگریزی لباس پہن کر اپنے تئیں ''انگریزی'' بنایا اور اسناد وراثت دکھائیں اور (سن ستاون کے ہنگامے میں) ''کالوں'' کے ہاتھوں جو مصیبتیں اٹھائیں تھیں کچھ جھوٹی کچھ سچی بتائیں۔'' (۱۶)

۱۲- مبارک النساء

یہ دہلی کے ریزیڈنٹ ڈیوڈ آکٹرلونی کی داشتہ تھی۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ایک فرانسیسی واٹررین ہارڈ تھا جو برعظیم میں ہی رہا اور مرا اور جسے یہاں ''شمرو'' کہا جاتا تھا۔ شمرو کے بیٹے ظفریاب کا

داماد کرنل الیگزنڈر ڈائس تھا، الیگزنڈر کا بیٹا ڈیوڈ آکٹر لونی تھا۔ جسے دہلی والے اختر لونی کہتے تھے۔

''مبارک النساء بیگم بیوہ لونی اختر صاحب کا خط آیا کہ میرا کچھ روپیہ حضور والا (مٹکاف) کے ذمے نکلتا ہے، عطا فرمانے کا حکم صادر کیا جائے۔ خط کی نقل حضور عالی کی خدمت میں پیش کی گئی، ارشاد فرمایا روپیہ دے دو۔'' (۱۷)

''حضور کی تحریر صاحب ایجنٹ کے پاس آئی کہ مبارک النساء بیگم بیوہ لونی اختر کا سولہ ہزار روپیہ پرگنہ شمع پور باڈلی کے سلسلے میں ہمارے ذمے مدعیہ کے دعوے کے مطابق نکلتا ہے، ہم نے کل روپیہ اس کو دے دیا رسید پہنچ جائے گی، صاحب ایجنٹ نے اس کی نقل بیگم مذکور کے پاس بھیج دی۔'' (۱۸)

''مبارک النساء بیگم بیوہ لونی اختر ایک ہزار تین سو روپیہ کی رسید شاہی دفتر میں داخل کر دے گی، اس کا زر دعویٰ فصل ربیع کی آمدنی سے دیا جائے گا۔'' (۱۹)

جائزہ

فرنگی مردوں اور دیسی عورتوں کے باہم ''رشتوں'' کی تاریخ الحمد للہ زیادہ پرانی نہیں ہے، بلکہ ہمارے علم کی حد تک یہ ناپاک سلسلہ اٹھارہوں صدی عیسوی سے شروع ہوا تھا، اس سے پہلے کوئی ایسا رشتہ اوراق تاریخ میں محفوظ نہیں یا پھر ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ مندرجہ بالا رشتوں میں سے سب سے پرانا رشتہ اسکنر صاحب اور ایک راجپوت عورت کا ہے جو ۱۷۷۸ء سے پہلے ہوا تھا۔

اس کے برعکس ہم ''ولایتی بیویاں'' میں لکھ چکے ہیں، فرنگی عورتوں سے مقامی باشندوں کے رشتے کی تاریخ ۲۳ سو سال پرانی ہے۔ تیسری صدی قبل مسیح میں پاٹلی پتر (پٹنہ، بہار) کے راجا چندر گپت کا سکندر کے جانشین سیلوکس کی بیٹی سے بیاہ ہوا تھا، اور یوں سیلوکس کی بیٹی پہلی ولایتی بیوی تھی جو برعظیم کے کسی فرد کے گھر میں بیاہ کر آئی اور برعظیم و فرنگ کے باشندوں کے درمیان یہ پہلی شادی تھی۔

مذکورہ بالا، بارہ مقامی عورتوں میں آٹھ مسلم تھیں اور تین ہندو، ایک عورت کے مذہب کے متعلق کوئی وضاحت نہیں ملی۔

ان بارہ فرنگی شوہروں میں سے انگریز بھی تھے اور فرانسیسی بھی۔ ان عورتوں کے ساتھ فرنگی

اور عیسائی مردوں کے تعلق کے سلسلے میں ان کے ہم شہروں اور ہم مذہبوں کی طرف سے کسی قسم کے احتجاج، غیرت وحمیت کے کسی پہلو سے اظہار اور اس عورت اور اس کی برادری کے معاشرتی مقاطعے کی کوئی جھلک نہیں ملتی صرف ''بے چینی'' کا ذکر ریکارڈ پر ہے۔ سرون نامی عورت کے ساتھ ایک فرنگی کے رشتے کے سلسلے میں مورخ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ

''مسلمانوں اور ہندوؤں میں بے چینی پھیل گئی تھی۔'' (۲۰)

دوسرا احتجاج واقعی متوقع اور شایان شان تھا، ولیم فریزر (دہلی کے ریزیڈنٹ) کے لوہارو کے نواب احمد بخش کے خاندان کی ایک عورت سے تعلقات ہو گئے تھے، جس پر خاندان کے کسی غیور اور باحمیت فرد نے فریزر کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس قتل کی ذمہ داری اس وقت کی عدالت نے والی لوہارو کے صاحبزادے نواب شمس الدین خان پر عائد کی اور ان کو پھانسی دے دی گئی، ہم نہیں کہہ سکتے کہ عدالت کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط اور حقیقتاً نواب شمس الدین ہی قاتل تھے یا جیسا کہ مشہور ہے کہ مرزا غالب نے جھوٹی مخبری کی تھی، بہرحال قاتل ایک غیور اور باحمیت فرد تھا۔

اس داستان کا ایک افسوسناک پہلو یہ بھی ہے کہ میں نے جن جن مورخوں سے یہ واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے کسی کے لہجے میں تلخی تھی نہ زبانِ قلم پر کوئی غیرت مندانہ جملہ۔ نہ ان بدکار اور بے غیرت عورتوں کے لئے حقارت ونفرت کا اظہار۔ یہ واقعات اس طرح تحریر کئے گئے ہیں جیسے یہ کوئی معمول کی بات ہو، اس میں نہ بے حیائی کا کوئی پہلو ہو نہ بے غیرتی کا، نہ یہ فعل شرافت سے بعید ہو نہ قومی حمیت سے۔

ایک اور افسوسناک وشرمناک پہلو یہ ہے کہ یہ واقعات اس دور کے ہیں جب اس ملک پر بحیثیت مجموعی ہم اہل وطن کی حکومت تھی، یہ بارہ کے بارہ واقعات برطانوی حکومت کے باقاعدہ آغاز (۱۸۵۷ء) سے قبل کے ہیں۔

حواشی

(۱) ظفریاب خان بعد میں ''مظفر الدولہ ممتاز الملک نواب ظفریاب خاں'' کہلایا، وہ شاعر بھی تھا، صاحب

تخلص کرتا تھا، کثرت شراب نوشی اور عیاشی کی وجہ سے ۱۸۲۷ء میں اس کی وفات ہوگئی، اس کی ایک بیٹی کرنل الیگزنڈر ڈائس سے بیاہی گئی تھی، جس سے دو بیٹے تھے ایک تھامس ڈائس دوسرا ڈیوڈ آکٹرلونی (اختر لونی) جو عرصے تک دہلی کا ریزیڈنٹ رہا۔

(۲) وقائع عبدالقادر خانی ۲/ ۱۹۳-۱۹۴

(۳) وقائع عبدالقادر خانی ۲/۱۹۸

(۴) وقائع عبدالقادر خانی ۲/ ۱۹۴ تا ۱۹۶، خطبات گارساں دتاسی ص ۱۲۵، گلشن بے خار از مومن کلب علی خان فائق ص ۱۲۳، زیب التواریخ از منشی گوکل چند/ منظور الحسن برکاتی، واقعات دارالحکومت دہلی از مولوی بشیر الدین ۲/۲۰۹، تاریخ ہند از ذکاء اللہ ۹/ ۳۲۸، تاریخ شاہ عالم ثانی از فرینکلن/ ثناء الحق ص ۲۱۲

(۵) مٹکاف کی ڈائری ص ۳۹، ۵۶، ۱۱۸

(۶) نامہ اعمال از سر محمد یامین خاں ص ۸۷ مطبوعہ لاہور

(۷) مٹکاف کی ڈائری ص ۱۱۸

(۸) مٹکاف کی ڈائری ص ۳۹

(۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''ولایتی بیویاں''، قیصر التواریخ ۲/ ۵۵، ۸۷ طبع دوم

(۱۰) مخزن احمدی از محمد علی رائے بریلوی ص ۵۷، سیف الجبار از مولوی فضل رسول بدایونی ص ۷۳، سوانح احمدی از محمد جعفر تھانیسری ص ۱۳۲- ۱۳۳، جماعت مجاہدین از غلام رسول مہر ص ۶۵

(۱۱) مخزن احمدی ص ۹۵، سوانح احمدی ص ۱۲۶

(۱۲) خمخانہ جاوید از لالہ سری رام ۱/ ۲۷، خطوط غالب ص ۳۳۳

(۱۳) مقالات شیرانی از ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی ۲/ ۲۱۶، ہادی ہریانہ ص ۳۹- ۴۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء

(۱۴) وقائع عبدالقادر خانی ۲/ ۱۷۵

(۱۵) پھر نظر میں پھول کھلے ص ۳۸- ۱۳۹ از مرزا ظفر الحسن کراچی ۱۹۷۴ء

(۱۶) عروج سلطنت انگلشیہ از مولوی بشیر الدین ص ۷۰۳

(۱۷) مٹکاف کی ڈائری ص ۱۲۲ از خواجہ حسن نظامی ۱۹۵۰ء دہلی

(۱۸) مٹکاف کی ڈائری ص ۳۵

(۱۹) مٹکاف کی ڈائری ص ۵۱

(۲۰) ہادی ہریانہ از منظور الحق صدیقی ص ۳۹- ۴۰